ہم یہ کام حضرت شیخ الہندؒ کا بتایا ہوا کررہے ہیں۔ بظاہر اس کام کو ہم اپنے نام سے کررہے تھے لیکن میرے مشفق بزرگ حضرت صاحب امروٹی کو میرا اس طرح کام کرنا پسند نہ آیا۔ چنانچہ ہم مجبور ہوگئے کہ امروٹ کی بجائے گوٹھ پیر جھنڈا (ضلع حیدرآباد) میں دارالرشاد کے نام سے ایک مدرسہ بنائیں"۔

تربیت کے اس دوسرے درجے میں سندھ میں کام کرنے کا وہ کون سا طریقہ تھا جو حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا کو سمجھا دیا تھا لیکن حضرت مولانا تاج محمود امروٹی کو پسند نہ آیا تھا؟

میرا خیال ہے کہ یہ مطبع محمود المطابع کا قیام تھا اور رسالہ ہدایۃ الاخوان کا اجراء تھا۔ حضرت مولانا امروٹی ایک خاص بصیرت کے دور اندیش بزرگ تھے۔ انھوں نے سوچا ہوگا کہ مولانا سندھیؒ انقلابی ذہن و فکر کے حامل ہیں پھر جوانی کا عالم ہے، رسالہ نکال کر اپنے انقلابی خیالات کو چھپائے رکھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ رسالے کا تو مقصد اجراء ہی انقلابی خیالات کی اشاعت و تبلیغ ہے۔ اس لئے حکومت نہ ان کے خیالات سے زیادہ دنوں تک غافل رہ سکتی ہے نہ اسے نظر انداز کرسکتی ہے۔ اس صورت میں گرفتاری اور قید و بند کا خطرہ بھی بعید از قیاس نہ تھا لیکن اس صورت میں سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ نہ تو اس طرح اصحاب استعداد کی کوئی جماعت تیار ہوسکتی تھی اور نہ لوگوں کے اندر کوئی ذہنی و فکری انقلاب لایا جاسکتا تھا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ کام کرنے کی زیادہ سے زیادہ مہلت ملے۔ اور اگر لوگوں میں کوئی ذہنی انقلاب نہ لایا جاسکے تو تعلیم و تربیت سے ایک ایسی جماعت تیار ہوچکی ہو۔ جو قید و بند کی صورت میں ان کے پیچھے کام کو جاری رکھ سکے۔

کام کرنے کی طویل سے طویل مہلت اسی صورت میں مل سکتی تھی کہ رسالے کو اپنے انقلابی خیالات کی اشاعت و اظہار کا ذریعہ بنانے کے بجائے طلبہ کی ایک مخصوص جماعت کو تعلیم و تربیت کا موضوع بنایا جائے اور قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر جہاد یا انقلاب کی دعوت دی جائے۔

پس اگر مولانا تاج محمود امروٹی علیہ الرحمہ نے رسالے کے اجراء اور افکار کی اشاعت کے

اس ذریعے کو اس وقت ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۰ء میں پسند نہ کیا تو یہ بات حضرت امروٹی علیہ الرحمہ کی بصیرت اور دور اندیشی کی بہت بڑی دلیل ہے۔ حضرت کی اس دور اندیشی کے سوا مولانا سندھیؒ کے طریقۂ کار کی ناپسندیدگی کی وجہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ میں نے یہاں طریقہ کار کا لفظ قصداً استعمال کیا ہے۔ اس لئے کہ مولانا سندھی مرحوم کے الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امروٹی علیہ الرحمہ نے صرف ان کے طریقۂ کار کو ناپسند کیا تھا۔ مولانا کے الفاظ یہ ہیں:

"میرے مشفق بزرگ حضرت صاحب امروٹی کو میرا اس طرح کام کرنا پسند نہ آیا۔"

اس صورت میں کہ حضرت امروٹی خود اس سلسلے کے بزرگ تھے اور ان بزرگوں سے نسبت پر فخر اور اسے اپنے لئے باعث عزت سمجھتے تھے۔ اسی سلسلے سے تعلق رکھنے والے بزرگ اور اسی سلسلے کے کام کی مخالفت کیونکر کر سکتے تھے۔ امروٹ، پیر جھنڈا اور کراچی کے مراکز دینی کو دارالعلوم اور اس کے کام سے جو تعلق تھا اس کی نسبت خود مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

"لوگوں کو شاید یہ بھی معلوم نہ ہو کہ مولانا شیخ الہندؒ کا سندھ میں کس قدر اثر تھا؟ میرے مرشدوں کے سلسلے میں مولانا تاج محمود امروٹی اور حضرت پیر صاحب العلم پیر رشد اللہ شاہ اور کراچی کے مدرسہ مظہر العلوم اور گوٹھ پیر جھنڈا کے مدرسہ دارالرشاد متعلق علماء کی جماعتیں، سب دیوبندی اسکول سے تعلق رکھتے ہیں۔"

مولانا سندھیؒ مرحوم کو خود بھی شاید یہ احساس پیدا ہو گیا تھا کہ وہ تحریک کے جس ابتدائی دور سے گزر رہے ہیں، اس میں رسالے کو افکار کی اشاعت و تبلیغ کا ذریعہ بنانا بہترین طریقۂ کار نہیں ہے۔ مولانا کا یہ فرمانا کہ

"ہمارا کام بغیر مدرسے کے چل نہیں سکتا تھا اس لئے دوسری جگہ کی تلاش ہوئی۔"

اسی احساس کی غمازی کرتا ہے۔

مولانا سندھی مرحوم نے دو سال تک مطبع چلایا اور رسالہ نکالا پھر مطبع و رسالہ دونوں بند کر کے گوٹھ پیر جھنڈا میں دارالرشاد کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا اور درس و تدریس میں

مشغول ہوگئے اور کامل انہماک اور یکسوئی کے ساتھ سات سال تک طلبہ کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے۔ مدرسے کے انتظامی اور تعلیمی تمام معاملات میں انھیں کامل خود مختاری حاصل تھی۔ مولانا فرماتے ہیں:

"جگہ کی تلاش میں تھا کہ مولانا رشید اللہ صاحب العلم الرابع نے ۱۳۱۹ھ (مطابق ۱۹۰۱ء) میں میری تجویز کے موافق مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ نام بھی میری تجویز سے مقرر ہوا۔ میں اس میں شریک ہوگیا۔ سات سال تک علمی و انتظامی کامل اختیارات کے ساتھ کام کرتا رہا۔ اکابر علماء میں سے حضرت مولانا شیخ الہند اور حضرت مولانا شیخ حسین بن محسن یمانی امتحان کے لئے تشریف لائے۔"

تیسرا درجہ "دار الرشاد میں جب ہم نے اپنے کام کو اچھی طرح سے کرکے دکھا دیا تو حضرت شیخ الہندؒ نے ہمارا درجہ اور بڑھا دیا اور آپ نے مجھے دیوبند بلا بھیجا اور یہاں سے مدرسہ دیوبند کی پالیسی میں ہمارے مشوروں کو سننے لگے۔

اسی زمانے میں حضرت شیخ الہند نے ہمیں جہاد کی حقیقت کا دوسرا بطن سمجھا دیا۔ عام طور پر جہاد کے لئے شرط یہ ہے کہ مسلمان بادشاہ ہو اور کفار کے مقابلے کا مسلمانوں میں کوئی امکان نظر آئے تو پھر جہاد فرض ہوتا ہے مگر ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں میں ان کا کوئی بادشاہ نہ رہے اور نہ ان کے ہاں فوجی طاقت موجود ہو تو ان حالات میں جہاد کا حکم کیا موقوف ہوجائے گا؟

حضرت شیخ الہندؒ نے اس مشکل مسئلے کو ہمیں سمجھایا اور اس سلسلے میں ارشاد فرمایا کہ ایسے حالات میں ہر ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ خود اپنی جماعت بنائے اور جہاد کرے۔ حضرت نے سندھ میں ہمیں اسی طرح کام کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ اس لئے ہم قدرے اس کام سے واقف ہوچکے تھے اور جب ہم سندھ سے دیوبند پہنچے اور جمعیۃ الانصار کا کام کرنا شروع کیا تو ہمارے پیش نظر حضرت شیخ الہند کا یہی فرمان تھا۔ جہاد کے متعلق یہ نقطۂ نظر اور اس کے مطابق کام کرنا یہ ہماری خصوصیت تھی۔ اور ہم نے حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی صحبت

میں رہ کر اسے حاصل کیا تھا۔"

چنانچہ مولانا سندھی مرحوم چار سال تک دیوبند میں رہ کر حضرت شیخ الہند کی ہدایت کے مطابق اور آپ کی نگرانی میں جمعیۃ الانصار کا کام کرتے رہے۔

چوتھا اور آخری درجہ اس کے بعد حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے مولانا سندھی مرحوم کے کام کا مرکز دہلی منتقل ہو گیا۔ اس مرحلے کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں:

"شیخ الہندؒ جس طرح چار سال دیوبند رکھ کر میرا تعارف اپنی جماعت سے کرایا، اسی طرح دہلی پہنچ کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے آپ دہلی تشریف لے آئے اور ڈاکٹر انصاری سے میرا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلام اور محمد علی مرحوم سے ملایا۔ اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانانِ ہند کی اعلیٰ سیاسی طاقت سے واقف رہا۔"

جہاں تک میرا خیال ہے یہ مقام مولانا سندھی مرحوم کی سیاسی تربیت کا درجہ تکمیل تھا۔ ۱۸۹۰ء میں وہ دینی علوم کی تحصیل سے واقف ہوئے تھے اور یہ مرحلہ انھوں نے تقریباً چار سال میں طے کر لیا تھا لیکن سیاسی تعلیم و تربیت کے ہفت خواں طے کرانے میں انھیں تقریباً ۲۴ سال (اوائل ۱۸۹۱ء تا اوائل ۱۹۱۵ء) لگے۔ تب کہیں جاکر انھیں اس قابل سمجھا گیا کہ ان کی سیاسی بصیرت پر اعتماد کیا جائے اور بغیر رہنمائی کے آزادانہ طور پر سیاسی کام کر سکیں۔

کابل جانے کا حکم دو سال تک ہند کے مرکز سیاسی و انتظامی دہلی میں قیام کے بعد جب مولانا سندھی مرحوم بین الاقوامی سیاست کو سمجھنے اور اس کی گتھیوں کو سلجھانے کے ہر طرح اہل ہو گئے تو ۱۹۱۵ء کے شروع میں حضرت شیخ الہندؒ نے انھیں کابل جانے کا حکم دیا۔ مولانا فرماتے ہیں:

"میں اپنے فیصلے سے کابل نہیں گیا تھا۔ مجھے حضرت مولانا شیخ الہندؒ کا ناقابل تنسیخ حکم ہوا اور میرے رفقاء کی مرکزی جماعت نے بھی یہی فیصلہ کیا۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے تعمیلِ حکم کی توفیق بخشی۔"

کابل کے لئے حضرت شیخ الہند نے مولانا کو کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا۔ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ حضرت کو مولانا کی تعلیم و تربیت اور فکر و فیصلہ پر اعتماد تھا اور انھیں یقین تھا کہ وہ کابل پہنچ کر حالات و مصالح وقت کے مطابق خود پروگرام بنالیں گے۔ اصل ضرورت سیاسی تربیت اور عملی سیاست کے داؤ پیچ سے واقف کرانے کی تھی اور بلاشبہ مولانا سندھیؒ کی تعلیم و تربیت کا یہ پہلو ہر طرح قابل اطمینان اور مستحکم تھا۔ حضرت نے ان کی فکری و نظری تعلیم کے ساتھ عملی تربیت کا انتظام بھی نہایت سلیقے کے ساتھ کر دیا تھا۔ اب اس طرف سے فکر ہونے کی ضرورت نہ تھی۔

مولانا سندھی مرحوم نے چوئتھ رام کے نام خط میں بھی سیاسی تربیت کے ان مراتب و درجات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ گویا کابل مشن کے لئے شروع ہی سے انھیں تیار کر رہے تھے۔ اور پورے منصوبے میں ان کی جگہ کو شروع ہی سے خالی چھوڑ دیا گیا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں :

○ "میں سولہ سال کی عمر میں اسکول سے فارغ ہو کر مسلمان ہوا۔ چار سال محنت کرکے دارالعلوم سے سند فضیلت حاصل کی۔ سب کچھ پڑھنے کے بعد میرا اطمینان نہیں ہوا۔ میرے استاد مولانا محمود الحسنؒ دیوبندی شیخ الہند نے مجھے شاہ ولی اللہ دہلوی کے فلسفے کی طرف توجہ دلائی۔ سات سال کی مسلسل محنت کے بعد مجھے شاہ ولی اللہ کی اسلامی تشریح پر اطمینان حاصل ہوا ...... اس کے بعد جس طرح علمی تحقیقات میں شیخ الہندؒ سے خاص تعلق رکھتا تھا، سیاسیات میں بھی ان کے اتباع میں داخل ہو گیا۔ انھوں نے مجھ پر اعتماد کرکے اپنی خاص جماعت میں شامل کر لیا۔"

یہ گویا تعلیم و تربیت فکری کا مرحلہ تھا اور میرے نزدیک یہ پہلا مرحلہ تھا اس کے بعد عملی تربیت شروع ہوئی۔

○ "بارہ ۱۲ سال میں شیخ الہندؒ کے حکم سے سندھ میں کام کرتا رہا ہوں۔"

یہ تربیت کا دوسرا مرحلہ تھا ـــ اس کے بعد

○ "میرا درجہ بڑھا کر چار سال انھوں نے (حضرت شیخ الہندؒ نے) مجھے دیوبند میں اپنے

پاس رکھا اور اپنے لوگوں سے تعارف کرایا۔"

یہ تربیت کا تیسرا مرحلہ تھا۔ اس کے بعد ــــ

○ "دو سال دہلی میں علی گڑھ پارٹی سے ملنے کے لئے چھوڑا۔ میرے استاذ نے میرا تعارف ڈاکٹر انصاری سے کرایا اور ڈاکٹر نے مولانا محمد علی سے ملایا اور مولانا ابوالکلام سے تعارف کرایا۔"

یہ گویا تربیت کا چوتھا اور آخری مرحلہ تھا جسے میں نے تربیت سیاسی کا درجہ تکمیل قرار دیا ہے۔

○ "اس کے بعد مجھے کابل بھیج دیا۔"

گویا کہ یہ تمام مراحل و مراتب تعلیم و تربیت اس دن اور اس ذمہ داری کو تفویض کرنے کے لئے تھے۔ مولانا سندھی فرماتے ہیں :

"مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے ایک خاص عرصے سے مجھے اس کام کے لئے معین کر لیا ہے۔ جس قدر ضرورتیں مجھے کابل میں نظر آئیں گی ان اُمور کو وہ پہلے سے تیار کرتے رہے۔ فقط ایک خانہ میرے لئے خالی چھوڑ رکھا تھا جسے پُر کرنے کے لئے مجھے حکم دیا۔ میں نے یہ کام نہایت تنگ دلی سے قبول کیا میرے لئے اپنی طبیعت کے موافق ہندوستان میں کام کا بڑا میدان تھا اور میں اپنے آپ کو کابل سے بالکل غیر مناسب پاتا تھا۔ مگر اب شکر کرتا ہوں کہ اللہ نے اپنے بزرگ کا حکم ماننے کی توفیق بخشی۔"

کابل روانگی اپریل ۱۹۱۵ء کے شروع میں دہلی سے روانہ ہوئے اور سندھ تشریف لے آئے اور بظاہر بڑے اطمینان کے ساتھ دارالرشاد گوٹھ پیر جھنڈا میں درس و مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ لیکن درحقیقت یہ بظاہر اطمینان صرف سی۔ آئی۔ ڈی کو دھوکا دینے کے لئے تھا۔ سی۔ آئی۔ ڈی ان کا پیچھا کر رہی تھی اور ان کی شب و روز کی مصروفیتوں اور مشغولیتوں پر کڑی نظر رکھے ہوئے تھی۔ اس صورت میں ملک سے باہر نکل جانا ممکن نہ تھا لیکن اس دوران قیام و سکون میں مولانا ایک لمحے کے لئے بھی اپنے مقصد سے غافل نہیں ہوئے۔ وہ برابر

انتظامات میں مصروف رہے۔ لوگوں سے راستے کے بارے میں معلومات جمع کرتے رہے۔ شمالی سرحدی علاقے کے نقشوں کا بغور مطالعہ کرتے رہے۔ بعض ضروری کاموں اور احباب سے ملنے کے لئے وہ سندھ کے بعض شہروں میں بھی گئے لیکن وہ ہر مرتبہ جلد ہی اپنے مستقر پر واپس آگئے تاکہ سی۔ آئی۔ ڈی کو ان کے بارے میں شبہات نہ پیدا ہوں۔

سفر کے ضروری انتظامات اور سی۔ آئی۔ ڈی کی طرف سے اطمینان حاصل کرنے میں انھیں تقریباً چار مہینے لگ گئے اور جب ہر طرح کا اطمینان انھیں حاصل ہوگیا تو اگست کی ایک شب کو ایک قابل اعتماد شخص کی رہنمائی میں جو راستوں کی واقفیت رکھتا تھا اپنے تین ساتھیوں مولانا محمد علی (برادر مولانا احمد علی لاہوریؒ) مولانا عبداللہ لغاری مرحوم اور شیخ فتح محمد (مولانا کے ایک نومسلم خادم) کو ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوئے اور شاہراہوں کو چھوڑتے بچتے بچاتے رات دن سفر کرتے ہوئے علاقہ غیر میں داخل ہو گئے تو قدرے اطمینان کا سانس لیا۔ ۱۵ راگست کو مغرب کی نماز انھوں نے افغانستان کی سرحد میں پڑھی۔

کابل پہنچ کر مولانا سندھیؒ کو اندازہ ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ قدس سرہ جس جماعت کے نمائندے تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کے حاصل ان کے سامنے غیر منظم شکل میں موجود ہیں اور ان کے نظم و راہنمائی کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کے کسی فیض و تربیت یافتہ کی ضرورت ہے۔ ہجرت کے وقت چونکہ مولانا کے پیش نظر یہ تمام مصالح نہ تھے اور افغانستان میں انھیں اپنی جماعت کے کاموں کا اندازہ نہ تھا اس لئے ان کی طبیعت اس ہجرت کو پسند نہ کرتی تھی۔ لیکن کابل پہنچ کر حالات کا انھوں نے مطالعہ کیا تو انھیں اپنی ہجرت اور اس کام کے لئے اپنے انتخاب پر فخر محسوس ہونے لگا۔

حواشی

(۱) کابل میں سات سال۔ سندھ ساگر اکادمی۔ لاہور۔ صفحہ ۱۰۲

(۲) " " صفحہ ۱۰۳

(۳) مولوی عبداللہ لغاری از ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ۔ سہ ماہی مہران حیدر آباد۔ سوانح نمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۷۳

(۴) خطبۂ صدارت جمعیت الطلبہ سندھ اپریل سنہ ۱۹۴۴ء خطبات و مقالات۔ سندھ ساگر اکادمی لاہور صفحہ ۱۴۱

(۵) ایضاً صفحہ ۱۴۲

(۶) خطبہ افتتاحیہ ٹھٹھہ ضلع کانگریس کمیٹی کانفرنس۔ جولائی سنہ ۱۹۴۱ء خطبات و مقالات صفحہ ۷-۱۰۶

(۷) کابل میں سات سال صفحہ ۳-۱۰

(۸) ایضاً صفحہ ۴-۱۰۳

(۹) خطبۂ صدارت جمعیت الطلبہ سندھ اپریل سنہ ۱۹۴۴ء خطبات و مقالات صفحہ ۱۴۳

(۱۰) کابل میں سات سال صفحہ ۵-۱۰۴

(۱۱) خطبہ صدارت علمائے صوبہ بنگال۔ کلکتہ جون سنہ ۱۹۳۹ء خطبات و مقالات صفحہ ۸۶

(۱۲) مکتوب مولانا عبید اللہ سندھی بنام چوتھرام پریزیڈنٹ صوبہ سندھ کانگریس کمیٹی۔ ۶ اکتوبر سنہ ۱۹۳۷ء

افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھیؒ

مرتبہ

محمد سرور

سابق استاذ جامعہ ملیہ ۔ دہلی ۔

قیمت

اٹھارہ روپے

ملنے کا پتہ سندھ ساگر اکادمی لاہور چوک مینار انارکلی

حافظ سید رشید احمد ارشد

دہلی کی عظیم شخصیت

حضرت سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ شاہجہاں اور عالمگیر کے دورِ حکومت کے وہ ممتاز بزرگ اور رُوحانی پیشوا تھے جنھوں نے کسی بڑے بزرگ اور ممتاز رُوحانی پیر و مرشد سے بیعت کئے بغیر براہِ راست حضور سرور کائنات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و اتباع کی بدولت رُوحانی فیض حاصل کیا تھا۔

آپ کی حیاتِ مبارکہ مشہور تابعی بزرگ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طیبہ کے مشابہ تھی، جو ہمیشہ عشق محمدیؐ میں سرشار رہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے محروم رہے مگر اتباع محمدی اور عشق نبوی کی بدولت، براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روحانی فیض حاصل کرتے رہے۔

یوں ان کے نام پر ایسے اویسی اور روحانی سلسلے کا آغاز ہوا جس میں کسی پیر و مرشد سے بیعت کیئے بغیر براہ راست سرچشمۂ نبوت سے فیض حاصل کیا جاتا تھا۔

حضرت سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی قسم کے اویسی سلسلے سے وابستہ تھے چنانچہ ایک شاعر اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہتا ہے۔

حسن رسول نما ، افتخار آل رسول
اُویس قرنی ثانی ، و ثالث حسنین رض

چنانچہ اس براہ راست فیض نبوی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ روحانی طاقت بخشی کہ آپ جس کو چاہتے تھے خواب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب رسول نما مشہور ہوا جو آپ کے اسم گرامی کا لازمی حصہ بن گیا۔

شاہ ولی اللہ کا خواب | چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تذکرہ میں اس خصوصیت کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے:

"صبح اُٹھ کر شاہ صاحب (شاہ ولی اللہؒ) سب سے پہلے حضرت شاہ غلام علی مجددی مظہری المتوفی ۱۲۴۰ھ کی خدمت میں تشریف لے گئے (شاہ صاحب) موصوف حضرت (مظہر) جان جاناں کے خلیفہ تھے۔ شاہ صاحب نے ان سے (اپنے ایک) خواب کی تعبیر چاہی۔ شاہ غلام علی نے فرمایا:

خواب کی تعبیر | میری سمجھ میں آتا ہے کہ سید حسن رسول نما کی وفات کے بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توجہ ان دیار میں ہدایت خلق کی طرف بہت کم ہو گئی ہے۔ اس خواب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ کے ذریعے وہ سلسلہ پھر شروع ہو جائے گا۔"

شاہ صاحب نے فرمایا:

"میرے خیال میں بھی یہ تفسیر آئی تھی۔" [۵]

اس سلسلے کے دوبارہ جاری ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت سید حسن رسول نما، حضرت شاہ ولی اللہ کے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم کے بے تکلف دوست تھے جیسا کہ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب محدث دہلوی نے اپنے ملفوظات میں ذکر کیا ہے۔

---

[۵] "تفہیمات" ص۲۴۲ و "سیرت سید احمد شہید" ص۴۸ و "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" مطبوعہ سندھ ساگر اکادمی لاہور ص۱۲۷۔

تاریخی شخصیت | چونکہ آپ کسی مشہور روحانی سلسلے سے وابستہ نہ تھے اس لئے اولیاء اللہ کے مشہور تذکروں میں جن میں سلسلۂ قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ کے بزرگوں کے حالات زیادہ مذکور ہیں، آپ کا حال مذکور نہیں ہے۔ چنانچہ جب مجھے ان تمام مشہور تذکروں میں آپ کے حالات نہیں مل سکے تو مجھے درگاہ سید حسن رسول نما میں مقیم رہنے کے باوجود آپ کی تاریخی شخصیت مشتبہ معلوم ہوئی اور مجھے اس بارے میں شک و شبہ ہونے لگا کہ آیا حقیقت میں آپ ایسے باکمال تھے جیسا کہ ان کے خاندان کی زبانی روایات میں بیان کیا جاتا ہے یا ان روایات پر خوش عقیدگی کا غلاف چڑھا ہوا ہے؟

خافی خاں کا بیان

چنانچہ جب میں اولیائے کرام کے تذکروں سے آپ کے حالات مبارکہ معلوم کرنے سے تقریباً مایوس ہو چکا تھا کہ اچانک مجھے شاہجہاں کے سرکاری مؤرخ خافی خاں کی مشہور تاریخی کتاب "منتخب اللباب" کی جلد دوم کے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ اس کے آخر میں عہد شاہجہانی کے مشہور علماء اور اولیائے کرام کے حالات مذکور تھے۔ ان میں حضرت سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات بھی تحریر کئے گئے تھے۔ اس کا پہلا جملہ یہ تھا کہ

"حضرت سید حسن رسول نما علم حدیث و تفسیر میں نادرۃ العصر تھے۔"

مؤرخ موصوف نے آگے چل کر یہ تحریر کیا ہے:

"وہ اُمراء اور حکام سے نفرت کرتے تھے۔ اور ان سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتے تھے، تاہم میں نے ثقہ اور معتبر حضرات سے یہ سُنا ہے کہ وہ عاشقانِ رسولؐ کو خواب میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیتے تھے۔"

مناقب الحسن رسول نما | اس کے بعد مجھے آپ کے خلیفہ محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی کتاب فواتح العرفان کا نایاب اردو ترجمہ بھی دستیاب ہوا جو مناقب الحسن رسول نما کے نام سے موسوم ہے، اسے ضلع ہوشیار پور کے وکیل ہائی کورٹ جناب عمر بخش مرحوم نے ۲۳ راپریل ۱۹۲۱ء میں ترجمہ کرا کر شائع کیا تھا۔ یہ کتاب نہ صرف آپ کے حالات و ملفوظات اور تعلیمات کا واحد ماخذ ہے بلکہ تصوف کے نکات و معارف کا لاثانی گنجینہ بھی ہے اور دوبارہ اشاعت کے قابل ہے۔

دیگر تذکرے | سرسید احمد نے بھی اپنی کتاب آثار الصنادید میں آپ کی درگاہ کے سلسلے میں آپ کے مختصر حالات تحریر کئے ہیں۔ مفتی غلام سرور لاہوری کے تذکرہ خزینۃ الاصفیاء میں بھی آپ کے حالات میں چند سطریں تحریر کی گئی ہیں۔

لہٰذا ایسے باکمال بزرگ کے مختصر حالات بیان کئے جا رہے جو گوشۂ گمنامی میں جا چکے تھے۔

خاندانی حالات | حضرت سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ حسینی سید تھے اور حضرت جعفر صادق تک ان کا سلسلۂ نسب ان کے فرزند سید عبداللہ کے ذریعہ پہنچتا ہے۔ آپ کے بزرگوں میں سے حضرت سید علی ہمدانی غالباً سب سے پہلے برصغیر ہند و پاکستان میں آئے ان کی خانقاہ کشمیر میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

اس کے بعد آپ کے خاندان کے دوسرے بزرگ سید عثمان حرمل عرف کفرمل بھی بہت مشہور ہوئے جو ہمدان سے مجاہدوں کا لشکر لے ہندوستان آئے تھے اور کفار سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے تھے، ان کا مزار نارنول میں ہے اور تذکروں میں عثمان نارنولی کے نام سے مشہور ہیں۔

خاندانی روایات کے مطابق آپ کے بزرگ بخارا سے ہندوستان آئے تھے اور سب سے پہلے قصبہ موہان متصل لکھنؤ میں قیام کیا۔ یہ وہی قصبہ ہے جس کی نسبت سے مولانا حسرت موہانی مشہور ہیں۔

نارنول میں قیام | اس کے بعد آپ کا خاندان نارنول میں منتقل ہوگیا جو قدیم زمانے میں بہت بارونق اور آباد شہر تھا مگر اب ریاست پٹیالہ میں ایک معمولی قصبہ ہے نارنول آنے کے بعد آپ کے خاندان کے ایک بزرگ سید تاج الدین تاج شہسوار جا بک بار بہت مشہور ہوئے، وہ بھی بڑے بزرگ تھے۔ ان کا مزار بھی نارنول میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ان کا سلسلہ چشتیہ ہے اور وہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی کے پوتے، شیخ قطب الدین منور رحمۃ اللہ کے خلیفہ اور ہمراز تھے۔ ۸۳۳ھ میں ان کا وصال ہوا۔

پیدائش اور ابتدائی حالات | حضرت سید حسن رسول نما کی تاریخ پیدائش کسی تذکرہ میں

مذکور نہیں ہے۔ البتہ آپ کی تاریخ وفات ۱۱۰۳ھ ہے اور اس امر پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ آپ کی عمر شریف سو سال تھی۔ لہذا اس اندازے کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش ۱۰۰۳ھ کے لگ بھگ ہے۔ اس وقت شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا۔

آپ کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ غالباً آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے اور نارنول کے مکتب میں حاصل کی ہوگی۔ آپ کے والد صاحب سرکاری طور پر منصب دار تھے۔ چنانچہ آپ نے ابتداء میں اس قدر مروجہ تعلیم حاصل کرلی ہوگی کہ آگے چل کر آپ ایک معلم کی حیثیت سے کام کر سکیں اور اپنے والد کے منصب پر فائز ہو سکیں۔

آپ کے والد صاحب آپ کے بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ تاہم حکومت نے آپ کو اپنے والد کے منصب کا حقدار قرار دیا اور ان کی تنخواہ یا پنشن آپ کو ملنے لگی تھی۔

اخلاق و عادات

بچپن ہی سے سخاوت اور فیاضی آپ کی گھٹی میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ ایک سرکاری منصب دار کے فرزند تھے۔ تاہم ابتدائی زمانے ہی سے آپ امیروں اور سرمایہ داروں سے نفرت کرتے تھے اور ان کے لڑکوں سے بھی میل جول نہیں رکھتے تھے، کیونکہ ان کے اخلاق اچھے نہیں ہوتے تھے۔ اور انھیں اپنے مال و دولت کا گھمنڈ رہتا تھا۔ لہذا آپ شروع ہی سے غریبوں کے لڑکوں کے ساتھ مل جل کر کھیلتے تھے اور جو روپیہ پیسہ ہاتھ میں آتا تھا، اسے یتیموں اور مسکینوں کی امداد میں صرف کیا کرتے تھے۔

والد صاحب کی وفات کے بعد جب آپ ان کی دولت اور منصب کے حقدار ہوئے تو اس وقت بھی آپ نے اپنی فیاضی اور سخاوت کی عادتوں کو تبدیل نہیں کیا بلکہ پہلے سے زیادہ سخاوت اور بخشش کرنے لگے تھے۔

آپ عبادت اور روحانی ریاضت کے ساتھ ساتھ غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلانا اور ان کی مالی امداد کرنا اس قدر ضروری خیال کرتے تھے جس قدر آپ نماز و روزہ کو ضروری خیال کرتے تھے۔

رشتہ داروں کی بدسلوکی | جب آپ کے رشتہ داروں نے دیکھا کہ آپ کو مال و دولت کی طمع نہیں ہے بلکہ آپ اسے بے دریغ خرچ کر رہے ہیں تو وہ آپ کے ذریعۂ معاش کو اپنے قبضے میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیئے انھوں نے آپ کے خلاف ایک مقدمہ دائر کردیا اور رشوت خور حکام کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے آپ کو اس قدر ستانا شروع کیا کہ آپ کو با دل ناخواستہ اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔

ترکِ وطن | جب آپ نے اپنا وطن چھوڑا تو آپ مال و دولت یا ساز و سامان کا کوئی حصہ اپنے ہمراہ نہیں لے گئے کیونکہ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ پورب (مشرق) کے تعلیمی مراکز میں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے آپ نے سب سے پہلے اکبر آباد (آگرہ) کا قصد کیا۔ جب آپ وہاں پہنچے تو اس وقت آپ سخت بھوکے تھے مگر محنت مزدوری کے بغیر مفت کھانا کھانا اپنے لئے جائز نہیں سمجھتے تھے لہٰذا ایک لڑکے کو "صرف میر" پڑھا کر اپنی روزی کمانے لگے اور تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ اس کے بعد آپ جون پور روانہ ہوگئے جو اس زمانے میں مشہور تعلیمی مرکز تھا۔

اساتذہ |

جون پور میں آپ نے جن اساتذہ سے علوم ظاہریہ کی تعلیم حاصل کی ان میں مولانا عبدالرشید جونپوری مؤلف مناظرۂ رشیدیہ اور مولانا محمد جمیل زیادہ مشہور ہیں۔ [۱]

ان دونوں اساتذہ سے آپ کے نہایت بڑے اور مخلصانہ تعلقات تھے، چنانچہ بعد میں آپ مولانا عبدالرشید جونپوری عرف رشید مصطفیٰ کو نہایت محبت بھرے مکتوبات تحریر فرمایا کرتے تھے جو ان کی غیر مطبوعہ کتب گنج رشیدی اور گنج ارشدی میں محفوظ ہیں۔

عوارف المعارف کا درس | بیان کیا جاتا ہے کہ آپ بنارس بھی تشریف لے گئے تھے اور وہاں ایک استاذ سے عوارف المعارف پڑھا کرتے تھے۔ انتقال کے وقت انھوں

---

[۱] نزہۃ الخواطر از مولانا عبدالحی حسنی۔ جلد ششم ص ۶۳-۶۴۔

نے آپ کو ہدایت کی کہ وہ مولانا رشید مصطفیٰ سے یہ کتاب پڑھیں چنانچہ آپ مولانا موصوف کے پاس گئے اور یہ طے ہوا کہ آپ دن کے وقت روزے رکھیں اور تہجد کے وقت درس حاصل کریں اور درس کے زمانے میں خوب صدقہ اور خیرات کریں۔ ۵۱

ان تعلیمی مقامات میں بھی آپ علوم ظاہریہ میں زیادہ مشغول نہیں رہتے تھے بلکہ اکثر آپ غلبہ زمستی میں جنگلوں اور بیابانوں کی طرف نکل جاتے اور وہیں اکثر قیام فرماتے تھے۔

مختلف مقامات کا سفر آپ اپنے استاذ مولانا محمد جمیل جون پوری کے ساتھ بنارس بھی گئے تھے۔ اس کے بعد آپ قصبۂ بھلول بھی گئے جو لکھنؤ سے بیس میل کی مسافت پر تھا۔ وہاں آپ چودھری جلال الدین کے پاس مقیم رہے اور وہ آپ کا معتقد ہوگیا۔ ۵۲

قصبۂ بھلول سے آپ لکھنؤ بھی تشریف لے گئے تھے اور وہاں جاکر مولانا عبدالقادر فاروقی لکھنوی سے بھی تعلیم حاصل کی۔ مگر اس کا تذکرہ آپ کے خلیفہ سید محمد ہاشم کی کتاب فوائح العرفان میں نہیں ہے۔ تاہم مولانا عبدالحی حسنی نے اپنی کتاب نزہۃ الخواطر میں کیا ہے۔ ۵۳

تعلیمی سفر سے واپسی آپ مشرقی ہندوستان (پورب) کے مختلف علاقوں میں چودہ سال تحصیل علم اور روحانی ریاضت میں مشغول رہے۔ اس کے بعد آپ اپنے وطن مالوف نارنول واپس آگئے۔

نارنول واپس آکر آپ نے فرقۂ ملامتیہ کا طریقہ اختیار کیا اور یوں اپنی بزرگی کو ہر طرح سے پوشیدہ رکھتے رہے۔ آپ نے اپنی وضع قطع ایسی بنا لی تھی کہ لوگ آپ کو دیوانہ سمجھیں۔ یہاں آکر آپ نے اپنی زوجۂ محترمہ کی اصلاح بھی کی۔ اور اپنی بیٹی کی شادی رسم و رواج کے برخلاف شرعی طریقے سے اپنے شاگرد شیخ محمد فیاض سے کی۔ اس کے بعد آپ نے اپنے شہر کی ایک خستہ حال اور ویران مسجد کو تعمیر کرا کر وہاں مدرسہ قائم کیا اور طلبہ کو درس دینے لگے

---

۵۱ مخطوطہ گنج ارشدی (غیر مطبوعہ) از مولانا رشید مصطفیٰ صاحب۔

۵۲ و ۵۳ نزہۃ الخواطر جلد ۶ ص ۶۳ - ۶۴

آپ ان کی رُوحانی تربیت بھی کرتے تھے۔

دہلی کا سفر | پورب سے واپس آکر آپ بارہ سال تک نارنول میں رہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں آپ کو حکم دیا کہ آپ شاہجہاں آباد (دہلی) چلے جائیں۔ چنانچہ جب آپ دہلی پہنچے تو اس سے پہلے آپ کی بزرگی اور روحانی فیض کی شہرت دہلی کے خاص و عام تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ جہاں کہیں آپ قیام فرماتے تھے وہاں سینکڑوں عقیدت مندوں کا مجمع لگ جاتا تھا جن میں بڑے بڑے امراء اور سرکاری حکام بھی شامل ہوتے تھے۔

داراشکوہ کا شوقِ ملاقات | آپ کی آمد کی خبر شہزادہ داراشکوہ اور نواب سعداللہ خاں کو بھی مل گئی تھی لہذا داراشکوہ نے جو روحانی بزرگوں کا بہت معتقد تھا۔ نواب سعداللہ خاں اور ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کو اپنے خاص ملازموں کے ہمراہ آپ کی خدمت میں بھیجا اور شوقِ ملاقات کا اظہار کیا مگر آپ نے داراشکوہ کی درخواست منظور نہیں فرمائی اور ملاقات کے لئے نہیں گئے۔

کلالی باغ میں قیام | اس کے بعد آپ نے پرانی دہلی میں قیام کیا مگر جہاں کہیں آپ جاتے تھے عقیدت مندوں کا مجمع لگ جاتا تھا۔ لہذا آپ نے شہر کا آباد علاقہ چھوڑ کر شہر سے باہر مستقل طور پر رہنے کا ارادہ کیا اور شہر سے دور بادشاہ کی شکارگاہ کے قریب ایسے مقام پر سکونت اختیار کی جو رنج اور کلالی باغ کے متصل تھا۔ یہاں آکر آپ اپنے مریدوں اور شاگردوں کے ساتھ نقشبندی افغانوں کی ایک بستی کے قریب مقیم ہوگئے۔

غریبوں کی امداد | یہاں آکر بھی آپ نے غریبوں کی امداد کا سلسلہ جاری رکھا اور قحط کے زمانے میں آپ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی مالی امداد کیا کرتے تھے۔ جب شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر فوج لے کر دکن کی مہم کی طرف چلے گئے اور یہ جنگ طویل ہوگئی تو اس کا بُرا اثر شاہ جہاں آباد (دہلی) کے عوام پر پڑا اور وہ تنگ دست ہوگئے۔ لہذا آپ نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ مستحق غریبوں کی روزانہ کچھ نہ کچھ مالی امداد کی جائے۔ چنانچہ ابتداء میں دو روپیہ روزانہ غریبوں میں تقسیم کئے جانے لگے۔ رفتہ رفتہ آپ کی درگاہ کی طرف

سے پانچ سو روپے ہفتہ میں تقسیم ہونے لگے - خیرات کی تقسیم کی سہولت کے لئے ہفتہ میں منگل اور جمعہ کے دو دن مقرر کئے گئے تھے - تاہم جمعہ کے دن پانچ چھ ہزار کا مجمع ہو جاتا تھا اور اس قدر اژدحام ہو جاتا تھا کہ ایک دن اس بھیڑ میں تین افراد کچل کر ہلاک ہو گئے، جس کا آپ کو سخت رنج ہوا اور آپ نے تقسیم کا یہ طریقہ بند کر دیا -

خانقاہ اور دارالعلوم دہلی کے پایۂ تخت سے کافی دور موضع کلالی باغ میں حضرت سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل قیام اختیار کیا تھا اس لئے آپ نے اپنے مریدوں اور معتقدوں کی روحانی تربیت کے لئے نہ صرف خانقاہ قائم کی بلکہ دینی اور شرعی علوم کی تعلیم کے لئے ایک عظیم الشان دارالعلوم (مدرسہ) بھی قائم کیا تھا جہاں تفسیر، حدیث و فقہ اور دیگر علوم عربیہ کی تعلیم بھی دی جاتی تھی - یہی وجہ ہے کہ شاہ جہانی دور کا مشہور مورخ خافی خان اپنی تاریخی کتاب منتخب اللباب میں یہ اعتراف کرتا ہے کہ روحانی علوم کے علاوہ آپ تفسیر حدیث اور شرعی علوم میں بھی نادرۃ العصر تھے - چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں :

"سید حسن رسول نما کہ مجموعۂ فضل و کمال و از مستعدان روزگار و اصل باللہ بود خصوصاً در علم حدیث و تفسیر و عبادت و ریاضت نادرۃ العصر بود" [۱]

تعلیمی خدمات

حضرت سید حسن رسول نما نے ابتدا ہی سے تعلیمی پیشہ اختیار کیا تھا چنانچہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، جب آپ اکبر آباد (آگرہ) آئے تو آپ نے ایک لڑکے کو "صرف میر" کی تعلیم دے کر ذریعۂ معاش کی صورت نکالی تھی - اس کے بعد جب آپ پورب (مشرقی ہند) کے طویل سفر سے واپس آئے اور اپنے وطن نارنول میں قیام کیا تو وہاں بھی ایک شکستہ مسجد کی تعمیر کرنے کے بعد وہاں ایک مدرسہ قائم کیا اور اپنے داماد شیخ فیاض کے تعاون سے اس مدرسہ کو ترقی دی - اس مدرسہ میں نہایت ہونہار طلبہ تعلیم حاصل کرتے تھے اور یہاں عربی صرف و نحو کی تعلیم بھی دی جاتی تھی - چنانچہ ایک مرتبہ آپ کے مدرسہ میں کافیہ

---

[۱] منتخب اللباب حصہ دوم مطبوعہ کلکتہ از خافی خاں صفحہ ۲۵۱-۲۵۲

پڑھنے والے طلبہ نے شہر کے ایک بہت بڑے عالم کو بحث میں شکست دے دی تھی۔

دارالعلوم کا قیام | چونکہ آپ رُوحانی فیض کے ساتھ ساتھ شرعی علوم کی تعلیم کو بھی نہایت ضروری سمجھتے تھے اس لئے دہلی میں بھی آکر آپ نے خانقاہ کے ساتھ ساتھ شرعی علوم کا دارالعلوم قائم کیا، جہاں آپ کے معتقدوں کے علاوہ دُور دراز کے علاقوں سے طلبہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔

خواتین کی تعلیم | آپ کی درسگاہ میں نہ صرف مرد ہی تعلیم حاصل کرتے تھے بلکہ خواتین بھی آپ سے تعلیم حاصل کرتی تھیں، جس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ ایک دفعہ سلطان بیگ المعروف بادشاہ قلی خاں صوبہ دار لکھنؤ نے کافروں سے جنگ کرنے کے وقت یہ مَنّت مانی تھی کہ اگر خدا اُسے دشمنوں پر غالب کرے گا تو جتنے غلام اور لونڈیاں اس کے قبضہ میں آئیں گی وہ سب حضرت حسن رسول نما کی خدمت میں بھیج دی جائیں گی۔ جب اسے فتح حاصل ہوئی تو اس نے اپنے دو افغان ملازموں کے ہمراہ ان تمام غلاموں اور لونڈیوں کو آپ کی خدمت میں بھیج دیا اور ان ملازموں کو تاکید کی کہ اگر وہ اس کے تحفوں کو منظور نہیں کرا سکیں گے تو انھیں ملازمت سے برخاست کر دیا جائے گا۔

جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے بہت اصرار اور منت سماجت کے بعد یہ تحفہ قبول کر لیا اور یہ غلام اور لونڈیاں آپ کی درگاہ میں پرورش پانے لگیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ سب افراد تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ چنانچہ آپ کے خلیفہ اور سوانح نگار سیّد ہاشم علی مؤلف فوائح العرفان اپنی کتاب میں ان کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

"چونکہ ان لونڈیوں اور غلاموں کی سعادت ازلی ان کی مددگار تھی، اس لئے آپ کے حُسنِ توجہ سے وہ سب کے سب عالم ہو گئے۔ تین ۳ غلاموں نے تحصیلِ علوم سے فارغ ہو کر تعلیم و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا۔ اور بعض ہنوز تحصیلِ علوم میں مشغول تھے۔ لونڈیوں نے بھی مختصر الوقایہ، شرح وقایہ اور کافیہ وغیرہ کتابیں پڑھ لیں تھیں۔" [۵]

---

[۵] ترجمہ فوائح العرفان المعروف بہ مناقب الحسن رسول نما مطبوعہ گلزار ہند پریس لاہور ۱۹۲۱ء ص ۲۲۹-۲۳۰